مولانا ابوالکلام آزادؒ: تنقیدی جائزہ۔۔۔

ابوسفیان اصلاحی *

ABSTRACT:

Molana Abu-ul-Kalam Azad is among one of those personalities who altruistically devoted their lives to uplift their nation. He rendered great services in the field of literature, politics and religion. He played a vital role in promoting Arabic and Urdu journalism and through different magazines and journals he conveyed his message all over the World, especially in the Arab world. However, sometimes he faced some self made hurdles in communicating his message. It is mainly due to his elaborative writing style. Basically he was a poet and fictionist, and this style can even be seen in his research articles. While interpreting the chapter "Opening" (Surah Fatiha), he wrote it in 554 pages. Such a detailed interpretation not only disturbed the guiding aspect of Holy Quran but his highly ascertaining and exploring style mystified the readers too. This manuscript briefly presents a critical view of his work.

مولانا آزادؒ نے جن اہلِ علم کے اثرات قبول کیے ان میں سب سے ممتاز شخصیت علامہ شبلی نعمانیؒ کی تھی، آپ کی علمی ذہانت وفکری فطانت کے پیشِ نظر علامہ آپ کی ذہنی اور فکری تربیت کے خواہاں تھے، اسی نقطۂ نظر کی بنیاد پر انہیں ''الندوہ'' کی ادارت سے وابستہ کیا، مولانا کی صحافت کی قلمی اور فکری معاونت میں علامہ اور ان کے تلامذہ کا اہم کردار رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ کے لگائے ہوئے باغ ''دارالمصنفین'' سے مولانا کے گہرے مراسم رہے اور مولانا آزاد سے علامہ کے قلبی لگاؤ اور جذباتی تعلق پر مندرجہ سطور دال ہیں:

''ان باتوں سے کام نہیں چلتا، اگر آپ اس موقع پر نہ آئے تو میں قیامت تک کلکتہ نہ آؤں گا، بلکہ بعد قیامت بھی۔ میرے برابر کا کمرہ بالکل خالی، اور آپ کے لیے محفوظ ہے، اکثر احباب آرہے ہیں اور آچکے ہیں۔

دیر ویران سہی کعبہ مرا آباد رہے
یعنی مومن ہوں، چلا جاؤں گا میں، یاد رہے

شبلی، ۲۱ دسمبر ۱۹۱۰ء(۱)

* مددگار پروفیسر ڈاکٹر، شعبۂ عربی، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا برقی پتا: asislahi@gmail.com
تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۲/۸/۳ء

جس طرح مولانا آزاد سے علامہ کا قلبی لگاؤ تھا اسی طرح فکری وابستگی بھی کم نہ تھی، چنانچہ سیرت کے نامکمل کاموں کے باب میں جہاں اپنے دیگر تلامذہ پر آپ کی نگاہ ٹکتی تھی، اسی طرح مولانا آزاد کے اندر اتنی صلاحیت محسوس کرتے تھے کہ وہ بھی بخوبی اس ادھورے کام کی تکمیل فرما سکتے تھے، علامہ فرماتے ہیں:

''اگر آپ اس اثناء میں مل جاتے تو سیرتِ نبوی کی اسکیم کا کچھ انتظام ہو جاتا، ورنہ سب کارروائی بے کار ہو جائے گی، سید سلیمان اگر موجود ہوتے تو ان کو پورا پلان سمجھا دیتا''۔(۲)

علامہ کے ساتھ ساتھ مولانا حمیدالدین فراہی کے قرآنی اثرات کو بھی مولانا آزاد نے قبول کیا، جس کی طرف سید صاب نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

''۱۹۰۵ء میں'' مولانا شبلی سے بمبئی میں ملے اور یہ ملاقات ایسی تاریخی ثابت ہوئی کہ ابوالکلام کو مولانا ابوالکلام بنا دیا، مولانا شبلی مرحوم ان کو اپنے ساتھ ندوہ لائے اور ایک زمانہ تک ان کو اپنے پاس ندوہ میں رکھا، وہ ان کی خلوت وجلوت کی علمی صحبتوں میں شریک رہتے اور اپنی مستثنیٰ فطری صلاحیتوں کی بدولت ہر روز آگے بڑھتے جاتے تھے، یہیں انہوں نے مولانا حمیدالدین صاحب کے ساتھ کچھ دن بسر کیے، جن کو قرآن پاک کے ساتھ عشق کامل تھا اور اس مشق کا اثر صحبت کی تاثیر سے مولانا ابوالکلام میں سرایت کر گیا اور یہی رنگ تھا جو نکھر کر ہلال میں نظر آیا''۔(۳)

مذکورہ سطور سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ مولانا آزاد کا علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمیدالدین فراہی اور دارالمصنفین سے کس طرح کا تعلق تھا، چنانچہ تقسیم کے بعد جب دارالمصنفین پر نازک گھڑی آن پڑی تو مولانا نے اپنی وزارتِ تعلیم سے اسے ساٹھ ہزار کی خطیر رقم دلوائی، جس کی طرف مولانا شاہ معین الدین ندوی نے اپنی ماتمی تحریر میں اشارہ کیا ہے کہ ''ابھی چند سال ہوئے جب دارالمصنفین سخت مالی مشکلات میں مبتلا ہو گیا تھا اور اس کے چلنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، مولانا ہی کی امداد و دستگیری سے اس کو دوبارہ زندگی ملی، اس کی امداد و اعانت برابر ان کے پیش نظر رہتی تھی اور جب بھی اس کا کوئی موقع آتا تھا تو دارالمصنفین کو نہ بھولتے تھے۔اس وقت بھی یہ مسئلہ ان کے سامنے تھا، ابھی ۱۷فروری کو راقم الحروف ان سے ملا تھا، حسبِ معمول بڑی شفقت سے پیش آئے، دارالمصنفین کے حالات پوچھتے رہے''۔(۴)

ماضی کے انہی تابندہ نقوش کی بنیاد پر وقتاً فوقتاً تجدیدِ وفا کے مدنظر مولانا ضیاء الدین اصلاحی، مولانا آزاد کے فکری پہلوؤں کو موضوع بحث بناتے رہے اور ان مباحث کو عاشقِ آزاد جناب محمد امین مسعود صدیقی (لکھنؤ) کے اصرار پر ''مولانا ابوالکلام آزاد'' کے عنوان سے دارالمصنفین نے شائع کیا یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ

میں سورہ فاتحہ کی تفسیری خصوصیات بیان کی گئی ہیں، دوسرے حصہ میں مولانا کی صحافتی خدمات پیش کی گئی ہیں اور تیسرے حصہ میں مولانا کے قومی کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے، مجموعی اعتبار سے مولانا کے تفسیری، فکری اور صحافتی عوامل ومراحل کے استقصاء میں یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے، لیکن یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ سورہ فاتحہ سے متعلق مضمون میں کسی طرح کا تحلیل وتجزیہ نہیں ہے، اس کے محاسن ونقائص کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، ۱۶۰ صفحات میں صرف سورہ فاتحہ کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، مولانا آزاد کے تفسیری آراء سے تائید یا تنقید سے اجتناب کیا گیا ہے، جبکہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی کا ایک ایسے مکتبِ فکر سے تعلق تھا جس کی شناخت صرف تفکر وتدبر ہے، وہ قرآن کریم کو چشمِ بصیرت سے پڑھتا ہے، ہموار راستوں پر چلنے کے بجائے خود اہلِ علم وخرد کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے۔

مولانا آزاد کی تفسیر سورہ فاتحہ کے متعلق دو نقطۂ نظر ہیں، ایک طبقہ کا خیال ہے کہ یہ تفسیر اپنی جامعیت ومعنویت کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے (۵) دوسرے مکتبِ فکر کی رائے یہ ہے کہ اس میں غیر معمولی طوالت سے کام لیا گیا ہے۔ (۶) یہ تفسیر ۵۵۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں الٰہیات، مختلف مذاہب کے خیالات، مفسرین کی آراء اور جدید سائنس وغیرہ کے نکات پیش کرتے ہوئے تفسیرِ آیات کی گئی ہے، یہ حقیقت ہے کہ مولانا وسیع النظر تھے، لیکن اپنی وسیع النظری کو مدلل اور مختصر انداز میں پیش کرنے سے ہمیشہ محروم رہے، مولانا چونکہ بنیادی طور پر شاعر اور انشاء پرداز تھے، اس لیے تحقیقی موضوعات پر بھی قوتِ انشاء پردازی سے باز نہ آسکے، قرآن کریم نے باریک سے باریک ترین بات کو مدلل، مختصر اور دل نشیں انداز میں پیش کیا ہے، اس لیے مفسرین کی ذمہ داری ہے کہ توضیح آیات کریمہ میں اسی قرآنی فلسفہ کو اختیار کریں اس لیے اس پہلو سے تفسیرِ سورہ فاتحہ کا جائزہ لیا جائے تو اس کمی کا مولانا کے یہاں شدت سے احساس ہوتا ہے، اس تفسیر سے قرآن کریم کا ہدایتی پہلو متاثر ہوا ہے، قارئین مولانا کی انتہائی درجہ کی تحقیقات واکتشافات میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔

اس تفسیر میں مختلف الفاظ کی توضیح وتشریح کی گئی ہے، مثلاً مولانا فرماتے ہیں کہ الرحمٰن صفتِ عارضہ کے لیے اور الرحیم صفتِ قائمہ کے لیے آتے ہیں، مزید رقم طراز ہیں کہ ''الرحمٰن'' کا مفہوم رحمت والی ذات کے ہیں اور ''الرحیم'' کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جس سے ہمیشہ رحمت کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور ہر وقت اور ہر لمحہ کائنات کی خلقت اس سے فیض یاب ہوتی رہتی ہے۔ (۷)

یہاں ''الرحمٰن'' کی صحیح توضیح نہیں کی گئی ہے، اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ کی رحمتیں بے حد وحساب ہیں، اس کی کثرت اور پہنائیوں کا اندازہ لگانا سعی لاحاصل ہے، نہ اس کی نعمتوں کو بیان اور نہ ہی قلم بند کیا جاسکتا ہے، اسی کو قرآن کریم نے اس انداز سے بیان کیا ہے:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥ (النحل:۱۸)

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم انہیں شمار نہیں کر سکتے ہو، یقیناً اللہ نہایت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔

اسی مفہوم کو دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا:

وَلَوْ اَنَّمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ...... (لقمان:۲۷)

''اور اگر سطح زمین کے تمام درختوں کے قلم ہوں اور سمندر دوات بن جائے، جسے مزید سات سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی''۔

''الرحیم'' کا مفہوم تو مولانا نے صحیح بتایا ہے کہ جس طرح اللہ کی نعمتیں نا قابلِ بیان اور نا قابلِ تصور ہیں، اسی طرح یہ نعمتیں غیر منقطع اور مسلسل ہیں، اس کا تسلسل ختم ہوتا ہی نہیں، یعنی یہ سلسلۂ لامتناہی ہے، اسی طرح ''الرحمٰن'' کا مفہوم بے حد وحساب تو ''الرحیم'' کا مطلب لامتناہی ہے۔(۸)

مولانا آزاد نے ''اسراف'' اور ''تبذیر'' کے مابین فرق لطیف کو واضح کیا ہے، اسراف کا مفہوم یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا، مثلاً کھانے میں خرچ کرنا ایک ضرورت ہے، لیکن ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے، یعنی ڈشز بے شمار ہوں، سو آدمیوں کو کھانا کھلانے کے لیے دو سو لوگوں کے کھانے بنا لیے جائیں تو اسراف ہے اور ''تبذیر'' کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جائز و مطلوب مقامات پر خرچ کرنے کے بجائے ناجائز و غیر مطلوب مقامات پر روپے لٹاتا ہے تو یہ تبذیر ہے، مثلاً یتامیٰ و مساکین کی دستگیری کے علی الرغم اپنے پیسوں کو پتھروں، قبور اور بڑے لوگوں کی تعظیم وتکریم میں بہاتا ہے تو یہ تبذیر ہے(۹)۔مختصر یہ ہے کہ اسراف اور تبذیر میں مقدار اور محل کا فرق ہے۔

مولانا نے ''اعتداء'' اور ''عدوان'' کے متعلق فرمایا کہ دونوں ایک ہی مادہ سے ہیں اور دونوں کا مفہوم بھی حد سے گزر جانا ہے(۱۰)۔ یہاں وضاحت ضروری ہے کہ عربی زبان میں ہم معانی الفاظ نہیں ہوتے، مفاہیم ایک سطح پر مل سکتے ہیں لیکن معانی میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا، اس لیے اعتداء اور عدوان کا مفہوم ایک نہیں ہوسکتا، عدوان کا مفہوم دراصل معاملہ سے تجاوز کرنا اور ہٹ جانا ہے اور اعتداء کا مفہوم حق سے ہٹنا اور حق کو دبا دینا ہے، یہیں سے یہ مفہوم بھی صادر ہوا کہ جب جانور کسی کمزور و جانور پر شکار کے لیے حملہ کرتا ہے تو اسے بھی اعتداء کہیں گے، یعنی عدوان صرف معاملہ سے ہٹنا اور اعتداء حق سے ہٹنے کو کہیں گے، یہ لطیف فرق دونوں میں ہے، لیکن آگے چل کر دونوں کا مفہوم ظلم میں شامل ہو جاتا ہے۔

مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں صفاتِ الٰہی سے متعلق متکلمین کی تمام موشگافیوں کو لایعنی قرار دیا ہے، اور یہی

حقیقت بھی ہے، بہت سے دیگر مفکرین و مفسرین کی طرح مولانا آزاد نے بھی صفاتِ الٰہی کو متشابہات کے زمرہ میں شامل کیا ہے(۱۱)۔لیکن احقر کے نزدیک یہ متشابہات کے خانہ میں نہیں آتی ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ خالی الذہن ہو کر کائنات کا مطالعہ کیا جائے، اس میں حسن طلب اور صدق نیت ہو تو اللہ کی تمام صفات اسے صاف و شفاف شکل میں نظر آئیں گی، اور اس باب میں وہ تمام شکوک وشبہات سے نکل آئے گا، قرآن انسان سے یہی مطالبہ کرتا ہے اور اسی لیے اس کتاب کو اس نے متقی بندوں کے لیے کتاب ہدایت قرار دیا ہے۔(۱۲)

مولانا نے اپنی تفسیر میں اسلام کے تین مدارج بتائے ہیں۔ اسلام، ایمان اور احسان، اس تقسیم پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ احسان کا درجہ ذاتی تجربے اور کشف سے حاصل ہوتا ہے، تعلیمی اور احکامی عقائد کا اس میں دخل نہیں ہے، یہ خود کرنے اور پانے کا معاملہ ہے، بتلانے اور سمجھانے کا نہیں جو یہاں تک پہنچ گیا ہے وہ یہی بتلائے گا کہ میری طرح بن جاؤ پھر جو کچھ دکھائی دیتا ہے دیکھ لو۔(۱۳)

مذکورہ سطور کی روشنی میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلام آنحضورﷺ کے ہاتھوں مکمل ہو چکا تھا، یہ ذاتی تجربات اور کشف کا ہرگز محتاج نہیں ہے، اسلام کے تعلیمی اصول اور احکامی عقائد ہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہیں لیکن مولانا کا خیال ہے کہ درجہ احسان کے حصول کے لیے یہ چیزیں بے معنی ہیں، گویا یہ دنیا دراصل دنیائے رسالت سے ایک الگ دنیا ہے، اسی کو دیگر الفاظ میں دنیائے تصوف کہیں گے جو خود ساختہ بستی ہے جس میں صوفیا کرام سکونت پذیر ہیں، اس کا اسلام اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے تصوف دراصل ایک فلسفہ ہے اور فلسفی تمام قیود و قدغن سے آزاد ہے، یہ کسی مذہب اور نبوت کا محتاج نہیں۔

اس تفسیر میں مولانا نے ''وحدۃ الوجود'' کا بھی مسئلہ اٹھایا ہے اور اسی تناظر میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ''اگر میں مسئلہ وحدۃ الوجود کو ثابت کرنا چاہوں تو قرآن وحدیث کے تمام نصوص وظواہر سے اس کو اثبات کر سکتا ہوں''۔(۱۴)

شاہ صاحب کے اس خیال پر مولانا آزاد نے اظہارِ نکیر کیا ہے نیز یہ بھی فرمایا کہ شاہ صاحب قرآن کریم کے حقیقی عنی سے دور چلے گئے ہیں اور صدر اول کے مخاطبین کے مفاہیم سے انحراف کیا ہے۔(۱۵) دراصل مسئلہ وحدۃ الوجود ایک فلسفیانہ مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کی وجہ سے اعمال و اعتقاد میں گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں، نیز دینِ اسلام کی خالص وحدانیت متاثر ہوتی ہے، نظریہ وحدۃ الوجود اور سورہ اخلاص کے مفاہیم میں یکسر تضاد ہے، اور مفسرین کو اس کا اعتراف ہے کہ سورہ اخلاص میں خالص توحید کی تعلیم دی گئی ہے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ جس میں مولانا آزاد کی صحافتی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے، یہ حصہ اس کتاب کی جان ہے، اسے مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے نہایت تحقیقی انداز سے تحریر کیا ہے، اس میں آپ کا تحقیقی وعلمی انداز جھلکتا

ہے، اور پورے طریقے سے مولانا آزاد کی صحافتی عظمت کو سمجھا جاسکتا ہے، اس میں آپ کی متعلقہ خدمات کا استقصاء بھی کیا گیا ہے اور ہندوستان کی صحافت میں آپ کے اثرات کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

مولانا اصلاحی نے آپ کے متعلق یہ نہایت مناسب بات کہی ہے کہ دنیائے عرب کے متعدد اخبارات و رسائل آپ کی خدمت میں آتے تھے، ان تمام رسائل و اخبارات کو پڑھتے، ان میں جرجی زیدان کے ''الہلال'' اور رشید رضا مصری کے ''المنار'' کو بہت پسند کرتے تھے۔ (۱۶) یہاں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ ہندوستان میں عربی اخبارات و رسائل کی آمد کا سلسلہ علامہ شبلی نعمانی کی کوششوں سے ہوا، جس کی شہادت مکاتیب شبلی اور سفرنامہ روم و مصر و شام میں مل جائے گی، اس لیے یہ کہنا ہرگز نامناسب نہ ہوگا کہ مولانا آزاد کے اندر عربی اخبارات و رسائل کے تئیں دلچسپی درحقیقت علامہ کی وجہ سے پیدا ہوئی، عربی اخبارات ہی کے معیار پر ''الہلال'' کو ترتیب دیا اور ان کے بہت سے مقالات اور خبریں مترجم صورت میں اپنے اخبارات میں شائع کرتے تھے، اس کے علاوہ جدید عربی ادب کا ایک بڑا سرمایہ تراجم کی مدد سے اپنے اخبارات میں منظرِ عام پر لے آئے، ان تمام کاوشوں کے پیچھے علامہ شبلی نعمانی کے خیالات کارفرما ہیں۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے اس مضمون میں یہ پہلو بھی اٹھایا کہ وہ کون سے اخبارات ہیں جن میں مولانا آزاد کے مقالات چھپتے تھے، یا وہ کون سے اخبارات ہیں جن کی ادارتی ذمہ داریاں آپ نے انجام دیں۔ مثلاً ایڈورڈ گزٹ، الندوہ، وکیل اور دارالسلطنت وغیرہ کی ادارتی ذمہ داریوں میں مولانا آزاد نے حصہ لیا اور صحافتی لیاقت سے انہیں آگے بڑھایا، ان کے علاوہ الہلال، البلاغ، اقدام، پیغام اور پیام وغیرہ کے خود آپ مالک تھے اور آپ کی ادارت میں نکلتے تھے۔

یہاں یہ ذکر مناسب ہوگا کہ اردو صحافت کے ساتھ ساتھ مولانا آزاد نے عربی صحافت کے ارتقاء میں نمایاں کردار ادا کیا، سب سے پہلے ۱۳/اگست ۱۰/رمضان ۱۳۳۱ھ کو الہلال میں اعلان کیا کہ الہلال کی طرح ایک عربی اخبار ''البصائر'' نکالنے کے خواستگار ہیں، لیکن افسوس کہ یہ منظرِ عام پر نہ آسکا، اس کے علاوہ مولانا نے ''الجامعۃ'' کے نام سے بھی ایک عربی رسالہ نکالا، جسے اپریل ۱۹۲۳ء میں کلکتہ سے جاری کیا۔ اس کا ایک مقصد یہ تھا کہ عربوں کو ہندوستان کی سیاسی سرگرمیوں سے باخبر کیا جائے، اس کا دوسرا مقصد اتحادِ اسلامی اور اتحادِ مشرق تھا، چنانچہ جب انگریزوں کی دست درازیاں حرمین شریفین تک جا پہنچیں تو آپ نے اس کے خلاف آواز بلند کی، چنانچہ شریف حسین کی مخالفت اور ابن سعود کی حمایت شروع کر دی گئی، جس کی وجہ سے اسے دھمکیوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑا، انہی مخالفتوں کے سبب ۲۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو بند کرنا پڑا، لیکن اسے اپنے اہداف میں کامیابی نصیب ہوئی، جیسا کہ عبدالرزاق ملیح آبادی رقم طراز ہیں:

''الجامعۃ'' کی تحریک صحیح اور بروقت تھی، جلد ہی کامیاب ہوگئی، حرمین کی آزادی کے بعد ''الجامعہ'' کی ضرورت باقی نہ رہی اور اسے بند کر دیا گیا''۔(۱۷)

اس کے بعد مولانا نے اپنی وزارت کے دوران ''ثقافة الھند'' کے نام سے ایک عربی مجلّہ نکالنے کا فیصلہ کیا، اس کے مقاصد میں عرب ممالک کے سامنے ہندوستان کے سیاسی، ثقافتی اور علمی نمائندگی مقصود تھی، نیز ہندوستان کے تئیں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ مطلوب تھا، چنانچہ ''انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز'' کی جانب سے ۱۹۵۰ء میں اس کا اجراء ہوا، اس کی وجہ سے ہندوستان کی تصویر کو عربوں نے نہایت واضح شکل میں ملاحظہ کیا، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کا یہ اظہار خیال مناسب ہے:

''کونسل نے اپنا سہ ماہی رسالہ 'ثقافة الھند' جاری کیا، اور رسالے کے مضامین نے مسلم دنیا پر برقی لہروں کی طرح اثر پیدا کیا، مسلم دنیا ہندوستان کو ایک نئی روشنی میں دیکھنے لگی۔ مصر، عراق، سیریا اور ایران کے پرچوں نے اس رسالے کو بڑھ چڑھ کر تعریف کی اور اس کے مضامین نقل یا ترجمہ کر لیے، ان ملکوں کے نامور اہل قلم اور مصنفوں نے رسالے کو اور اس کی خدمات کو سراہا، رسالے کے بعض مضامین تو اس قدر مقبول ہوئے کہ عراق کی ایک سوسائٹی نے انہیں کتابی صورت میں شائع کر دیا، ایران میں بھی یہ مضامین فارسی میں ترجمہ ہوئے اور کتاب کی شکل میں شائع کیے گئے، انگلینڈ فرانس اور اٹلی کے مشہور مستشرقوں نے رسالے کے بعض مضامین کا اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کیا''۔(۱۸)

مذکورہ بالا اقتباس سے اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، گوکہ اس میں مولانا آزاد کی کوئی تحریر شائع نہ ہوئی، لیکن مولانا کے مقاصد کی اس سے ضرور تکمیل ہوئی، اپنے پیغام کو پوری دنیا خصوصاً عربوں میں عام کیا، ہاں یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ قدیم آرٹ کی بہت سی نایاب تصاویر ایسی تھیں جن کی باریکیوں اور خصوصیات کو مولانا نے اردو میں واضح کیا جسے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے عربی میں ترجمہ کیا۔(۱۹)

بہر کیف البصائر، الجامعہ اور ثقافة الھند کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اردو صحافت کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں عربی صحافت کے ارتقاء میں مولانا کا غیر معمولی رول رہا ہے، یہ سب علامہ شبلی نعمانی کے متروکہ کام تھے، جسے مولانا آزاد نے آگے بڑھایا، عربی صحافت کو جن جذبات و خیالات کے پیش نظر اختیار کیا تھا انہی وجوہات کی مدنظر علامہ نے اس کا آغاز کیا تھا، جدید عربی زبان وادب اور صحافت کا آغاز فی الحقیقت علی گڑھ سے ہوا تھا، جسے بہت سے لوگوں نے بعد میں آگے بڑھایا۔

مولانا کی اردو اور عربی صحافت سے مترشح ہے کہ آپ جمال الدین افغانی، ان کے تلامذہ اور بہت سے دیگر

ادباء مفکرین سے متاثر ہوئے، یہی وجہ ہے کہ جدید عربی ادب سے متعلق بے شمار چیزیں آپ کے اخبارات و مجلّات میں شائع ہوئیں، افغانی عبدہ، رشید رضا اور بہت سے دیگر مصری مفکرین و ادباء اور شعراء کی بہت سی نگارشات صفحات کی زینت بنائی گئیں، مثلاً رشید رضا کے ایک مقالہ کو اردو میں منتقل کر کے ''پیام'' کے اندر تین اقساط میں شائع کیا گیا۔(۲۰)

''لسان الصدق'' پر مولانا اصلاحی نے الگ سے ایک مضمون تحریر کیا، جس میں اس کی اہمیت و افادیت اور اس کے اہداف و اغراض پر اظہار خیال کیا گیا، اس سے مولانا اصلاحی کی تجزیاتی صلاحیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، دیگر رسائل کی طرح اس میں بھی دیگر مسائل کے ساتھ عربی ادب کو موضوع بحث بنایا گیا، اس میں نئی عربی کتب کی طباعت کی اطلاع دی جاتی تھی، یہ تمام اشتہارات رسائل سے ماخوذ ہوتے تھے، اسی طرح عربی رسالہ المحاکم سے ایک اشتہار کو ''لسان الصدق'' میں منتقل کیا گیا، اس میں درج کتب کا اشتہار تھا۔

۱۔ (یتیمة الدهر فی محاسن اهل العصر (ابو منصور عبدالملک بن محمد بن اسماعیل الثعالبی النیساپوری) یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے، یہ کتاب پہلی مرتبہ دمشق سے ۱۳۰۱ھ میں شائع ہوئی۔ (۲۱)

۲۔ النهاية فی التعریض والکنایة (ابو منصور الثعالبی النیساپوری) یہ ادب کے موضوع پر ایک مستند کتاب ہے جو ۱۳۰۱ھ میں مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی۔ (۲۲)

۳۔ فقہ اللغۃ (ابو منصور الثعالبی النیساپوری) یہ ادب و لغت کی ایک معروف کتاب ہے، جو مصر سے ۱۲۰۴ء ۱۸۸۸ء میں بیروت سے شائع ہوئی۔ (۲۳)

۴۔ لطائف المعارف (ابو منصور الثعالبی النیساپوری) ۱۸٦۷ء میں پہلی بار لائڈن سے چھپ کر منظر عام پر آئی۔ (۲۴)

۵۔ سحر البلاغۃ (۲۵) (الثعالبی النیساپوری)

٦۔ مونس الوحید (الثعالبی النیساپوری) یہ کتاب ۱۸۲۹ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ جرمنی میں ترجمہ کر کے آسٹریا سے شائع کی گئی۔ (۲٦)

۷۔ التمثیل والمحاضرة (۲۷) (الثعالبی النیساپوری)

۸۔ المبهج والنهاية (۲۸) (الثعالبی النیساپوری)

۹۔ کتاب الاعجاز والایجاز (الثعالبی النیساپوری) یہ ادب و حکمت اور فصاحت و بلاغت کی ایک نمائندہ کتاب ہے، اس میں اعجاز قرآن کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے، آنحضورﷺ کے جوامع الکلم، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے اقوال جمع کیے گئے ہیں، ان تمام نوادر کے علاوہ شاہان فارس، فلاسفہ یونان، خلفاء اموی اور

عباسی کے باب میں بھی بہت سی چیزیں اس میں جمع کر دی گئی ہیں، نیز شعراء، ارباب قلم، زہاد اور مزاح نگار وغیرہ بھی موضوع بحث بنائے گئے ہیں، اس کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیوی میں موجود ہے، جسے رسالہ ''المحاکم'' کے ایڈیٹر سکندر آصاف نے تہذیب وتشریح کے بعد اسے ۱۸۹۷ء میں شائع کیا ہے۔

''لسان الصدق'' کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا کہ اس میں سرسید احمد خاں اور ان کی تحریک کی تائید کی گئی۔مئی ۱۹۰۴ء کے شمارہ میں محسن الملک کا ایک مضمون شائع کیا گی جس میں سرسید اور ان کے ادارے کی خصوصیت بیان کی گئی ہے (۳۰) اسی طرح اگست اور ستمبر ۱۹۰۴ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے تعلق سے ایک مقالہ شائع کیا گیا، (۳۱) اس کے علاوہ بعض دیگر مضامین اور اداریوں میں تحریک سرسید کی تعریف وتوصیف کی گئی، اگر کہیں اختلاف کیا گیا تو لہجے میں نرمی اور ملائمت ہوتی۔

''لسان الصدق'' کی طرح مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ''الہلال'' پر بھی ایک وقیع اور مبسوط مقالہ تحریر کیا اور اس کے موضوعات ومباحث پر اپنے خیالات پیش کیے، مولانا آزاد کی بہت سی تشریحات ایسی ہیں جن سے مفکرین کو اختلاف کی گنجائش ہے، چنانچہ ''جہاد'' کا جو تصور مولانا آزاد نے پیش کیا ہے اس سے اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم کی رو سے اس میں تعارض وتضاد ہے، اس کے متعلق مولانا کا خیال ہے۔

> ''ہندوؤں کے لیے ملک کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنا داخل حب الوطنی ہے، لیکن مسلمانوں کے لیے یہ ایک دینی فریضہ اور داخل جہاد فی سبیل اللہ ہے، اللہ نے ان کو اپنی راہ میں مجاہد بنایا ہے اور جہاد کے معنی میں ہر وہ کوشش داخل ہے، جو حق وصداقت اور انسانی بندو استبداد وغلامی کو توڑنے کے لیے کی جائے''۔(۳۲)

یہاں کسی تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اتنا اشارہ ضروری ہے کہ اگر کسی غیر مسلم فرد یا مملکت پر ظلم و تشدد ہو رہا ہو اور اس کی آزادی کا گلا گھونٹا جا رہا ہو تو اس کی مدد کرنا ہر صاحب ایمان کا اخلاقی فریضہ ہے، اگر مملکت جمہوریت پر مبنی ہو، مسلم باسیوں کا اس پر برابر کا حصہ ہو تو اس پر آئی ہوئی مصیبت کا ٹالنا اس کا اخلاقی اور ملکی فریضہ ہے، لیکن فرد مسلم ہو اور مملکت اسلامی ہو تو اس پر ڈھائے جانے والے مظالم ومصائب کے خلاف جدوجہد کرنا دراصل جہاد ہے اس طرح چیرہ دستیوں کے خلاف ایک مسلم کی کوششوں کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے، ایک کوشش کو اخلاقی اور ملکی کوششوں کے زمرہ میں رکھا جائے گا اور ایک کوشش کو دینی اور جہاد کے خانہ میں ڈالا جائے گا، جہاد صرف اسلامی کاز سے عبارت ہے، جہاد کو عام کر دینا اور ہر سعی وکوشش کو جہاد کا رنگ دے دینا مناسب نہیں ہے، اس لیے مولانا آزاد کے مذکورہ خیال سے اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے، بعض فقہاء کے یہاں جہاد کے لیے اسلامی ریاست کا ہونا شرط ہے، خاکسار کی حقیر رائے میں اسلامی قیادت کا ہونا شرط ہے۔

ہمارے ہندو بھائیوں نے آزادیٔ وطن کے لیے جو کوششیں کیں اسے بھی مولانا آزاد نے جہاد کا نام دیا ہے (۳۳) جبکہ جہاد کے لیے ایمان شرط ہے، ایمان کے بغیر جہاد ممکن نہیں، بہرکیف قرآن کریم کی بعض اصطلاحات کی جو تعبیر وتشریح مولانا نے کی ہے وہ ہرگز قابل قبول نہیں، مناسب تھا کہ مولانا اس طرح کے خیالات پر قرآنی نقطۂ نظر پیش کرتے۔لیکن یہ کتاب اس طرح کے تحلیل وتجزیہ سے محروم ہے۔

''البلاغ'' پر بھی مولانا اصلاحی نے ایک قابل قدر مقالہ تحریر کیا جو نومبر ۱۹۱۵ء میں منظر عام پر آیا، اس کی متعدد خصوصیات میں سے ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ اس کے تعلق سے قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنا چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس کے دو ابتدائی شماروں میں ''فاتحة البلاغ'' کے نام سے اداریہ تحریر کیا جس میں امتِ مسلمہ کی پستی کی تصویر کشی کی گئی ہے، مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے اس کا ماحصل اس طرح پیش کیا ہے۔

> ''اس کے پہلے اور دوسرے شمارے میں مولانا نے عربی زبان میں ''فاتحة البلاغ'' کے نام سے ایک طویل افتتاحیہ قلم بند کیا، جس میں مسلمانوں کی موجودہ پستی اور زبوں حالی زیر بحث آئی ہے اور ان کے تشتت، افتراق، تعصب وتحزب اور تقلید میں گرفتار ہوکر دین کا حلیہ بگاڑ لینے کا ذکر کیا گیا ہے، مولانا کے نزدیک قرآن کو مہجور اور اس کی دعوت تعلیم کو متروک بنا دینے کے نتیجے میں یہ سارا فساد رونما ہوا ہے، جس کی اصلاح کے لیے انہوں نے دعوت وتبلیغ کو ضروری بتایا ہے۔'' (۳۴)

البلاغ کی اسی خصوصیت کی طرف نیاز فتح پوری نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

> ''البلاغ ایک مذہبی تبلیغی آرگن تھا، جس کا خطاب زیادہ تر مسلمانوں سے تھا، تاکہ ان کے ذہن ودماغ سے رسم وروایات کے نقوش محو کرکے ان کو صحیح تعلیم قرآنی سے آشنا کیا جائے اور وہ سمجھ سکیں کہ اسلام کا حقیقی مقصد انسانیت پرستی کے سوا کچھ نہیں اور جو ماورائے ویروحرم ''ہرجا کنیم سجدہ بداہ آستاں رسد'' کا مبلغ ہے''۔ (۳۵)

مولانا آزاد ''البلاغ'' کے توسط سے قرآن کے پیغام کو عام کرنا چاہتے تھے، اس میں انہیں خاصی کامیابی ملی جس کی طرف مولانا اصلاحی نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ اشارہ کیا ہے، مولانا اصلاحی نے اس کتاب میں مولانا آزاد کا تصور قومیت بیان کیا، مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ایک ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا عنصر ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ (۳۶) میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک عامل (Factus) ہوں، لیکن میں اپنے اس دعویٰ سے کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا،

اس سے قبل مولانا آزاد رقم طراز ہیں:

''میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹا سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم و اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں، اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے''۔(۳۷)

مولانا کے مذکورہ بالا دونوں اقتباس میں تضاد ہے، پہلے اقتباس سے متبادر ہے کہ قومی و مذہبی اعتبار سے مسلم قوم اور دیگر اقوام میں فرق ہے بلکہ خاکسار کے نزدیک فرقِ کثیر وفرقِ طویل ہے، لیکن ان فروق کے باوجود مختلف اقوام ایک ملک میں باآسانی رہ سکتی ہیں، اسلام میں دوسری اقوام کے ساتھ رہنے کے آداب بتائے گئے ہیں، نیز امتِ مسلمہ کا فریضہ ہے کہ دیگر اقوام کی حمیت وآزادی کا پاس ولحاظ رکھے، کسی کا دل دکھانے کے علی الرغم اس کے غموں کو خود اوڑھ لے، دینِ اسلام میں نباہ کی مختلف صورتیں موجود ہیں، لیکن خود کو کسی میں مدغم کر دیں یہ ممکن نہیں، آخری اقتباس میں مولانا نے یہی خیال پیش کیا ہے، خاکسار ایک ہندوستانی Resident ہے، اس رُو سے اس کا فریضہ ہے کہ ملک کی تعمیر وترقی میں پیش پیش رہے، اس ہیکل کا عنصر بن جانا اور اس تکوین کا عامل ہو جانا ایک ایسا تصور ہے جو شرک کی طرف لے جاتا ہے، ایک مسلم صرف ہیکل امتِ اسلامی کا عنصر ہے اور تکوین اسلام کا عامل ہے جو اسلام دنیا میں ابتدا آفرینش سے رہا ہے۔

یہاں اس پہلو کو اٹھانا مناسب ہوگا کہ مسلم لیگ کا یہ خیال کہ دو قومیں ایک ساتھ نہیں رہ سکتی ہیں اس سے اتفاق ممکن نہیں ہے، بالکل اسی طرح جس طرح مولانا آزاد کے تصور متحدہ قومیت سے، ہاں مولانا نے مسلم اور ہندوؤں کے درمیان جس اتحاد و اتفاق کی بات کی ہے وہ ضرور ممکن ہے، مولانا کے یہ تصورات ہندوستان کو ٹوٹنے سے بچا سکتے ہیں۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے مولانا آزاد کی متحدہ قومیت کے تصور سے مکمل اتفاق کیا ہے:

''مسلمانوں کو بھی حقیقت پسندی سے کام لے کر قدرت کا یہ فیصلہ ماننا ہوگا کہ ہندوستان غیر مسلم اکثریت کے ساتھ مشترک زندگی ان کا مقدر بن چکی ہے، جو سانچہ وجود میں آگیا ہے، اسے توڑا نہیں جاسکتا''۔(۳۸)

مذکورہ کلمات سے یہی نقطۂ نظر سامنے آتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے بھی مولانا آزاد کے خیالات کی تائید وتوثیق کی

ہے، مولانا اصلاحی کا یہ کہنا کہ مشترک زندگی مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہے کچھ موزوں معلوم نہیں ہوتا کیونکہ تقدیر اور آنے والے دنوں کے بارے میں اللہ کے علاوہ کسی کو کچھ معلوم نہیں، اللہ کا ارشاد ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا. (لقمان:۳۴)

''کسی نفس کو کچھ پتا نہیں کہ کل اس کے حصے میں کیا آئے گا''۔

مولانا اصلاحی نے جس سانچے کی بات کہی ہے وہ سانچہ انسانی ہے، ہمارا سانچہ درحقیقت ''صبغة اللّٰه'' ہے اور اسی میں قرآن کریم نے ڈھلنے اور رنگنے کی بات کہی ہے، رہا اس ملک کو جنت نشاں بنانے کا مسئلہ تو اس میں ہندوستانی مسلمان دیگر ہندوستانی اقوام کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے، لیکن اپنے تشخص اسلامی کو بہرحال باقی رکھیں گے۔

تفسیر سورہ فاتحہ کو تفسیر کے بجائے تحقیق اور فلسفہ کا نام دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا، یہ تفسیر ۴۵۵ صفحات پر مشتمل ہے جس میں قرآنیات، الٰہیات، مذاہب، قدیم اقوام، عرب مفکرین کے افکار اور تاریخ سے بحث کی گئی ہے، اس تحقیق و تدقیق میں سورہ فاتحہ کی روح دب کر رہ جاتی ہے، اس میں ایک دعائیہ انداز اور بندۂ مخلص کی جو تڑپ ہے وہ کھو کر رہ جاتی ہے، مولانا اصلاحی نے صرف اس کا خلاصہ پیش کیا ہے، ۱۶ صفحات پر مشتمل اس خلاصہ میں کہیں تحلیل و تجزیہ اور تبصرہ نہیں ملے گا، مناسب تھا کہ اس تفسیر کے نقائص کو واضح کیا جاتا اور بعض تسامحات کو موضوع بحث بنایا جاتا، مولانا اصلاحی کا قرآنیات کے ماہرین میں شمار ہے لیکن یہ کتاب اس پہلو سے خالی ہے۔

اس کتاب کی جان مولانا اصلاحی کی وہ تحریر ہے جس کا تعلق مولانا آزاد کی صحافت سے ہے، مولانا آزاد کی زیر ادارت نکلنے والے اخبارات و رسائل، آپ کی زیر نگرانی جاری ہونے والے مجلّات نیز دیگر اخبارات و مجلّات میں شائع ہونے والے آپ کے مقالات کا مولانا اصلاحی نے جائزہ لیا ہے، جس سے مولانا آزاد کی صحافت کی ایک واضح تصویر سامنے آجاتی ہے، مولانا کی صحافت کے موضوعات، ملکی و بین الاقوامی مسائل، عالمی سطح پر امت مسلمہ کے درپیش عوارض و موانع، اسلامیات، قرآنیات اور عربی ادب کے مباحث تھے، بالخصوص قرآنیات کو اپنا خصوصی محور بناتے ہوئے حالات حاضرہ پر اظہار خیال کیا، مولانا کا ایک خصوصی موضوع عرب اور عربی ادب تھا، کیونکہ مولانا کی نظریں بلاد عربیہ کی صحافت پر ٹکی ہوئی تھیں، وہی ان کا معیار و محور تھا، یہ مقیاس و میزان انہیں وراثت میں علامہ شبلی سے ملا تھا۔

کتاب کے اخیر میں مولانا کی سیاسی جدوجہد کا بھی ذکر کیا گیا ہے، یقیناً ہندوستان کی سیاست میں وہ سنگِ میل کی مانند ہیں، یہاں کی جمہوریت کو معنی خیز جمہوریت بنانے میں مولانا کا اہم رول رہا ہے، لیکن انہوں نے جہاد اور متحدہ قومیت کی جو تصویر کشی کی ہے اس سے اتفاق کرنا بڑا مشکل ہے کیونکہ قرآنی اور اسلامی نقطۂ نظر سے یہ میل نہیں

کھاتی، مولانا اصلاحی نے مولانا کے اس تصور سے کلّی اتفاق کیا ہے کتاب کا یہ آخری مضمون مزید توجہ اور تفصیل کا متقاضی ہے، بہرکیف اتنا تو طے ہے کہ مولانا آزاد ایک عبقری انسان تھے۔(۳۹) اور آپ کی عبقریت کے لیے المری کا یہ شعر پڑھا جاسکتا ہے۔

وانی وان کنتُ الآخیر زمانه

لآتٍ بمالم تستطعه الأوائل۔(۴۰)

مراجع وحواشی

(۱) مکاتیب شبلی۔ (مرتبہ: سید سلیمان ندوی) مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۲۸ء، ا/ ۲۷۵ (۲) ایضاً، ا/ ۲۸۹

(۳) حیات شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص: ۴۴۴، ۸۱/۳، ص: ۱۶۵

(۴) آہ مولانا ابوالکلام آزاد: علم و دانش کا آفتاب غروب ہوگیا، شاہ معین الدین احمد ندوی، (معارف، شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ، مارچ ۱۹۵۸ء، ۸۱/۳، ص: ۱۶۵۔۱۶۴

(۵) وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت، حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی، مکتبہ رحمتِ عالم، لال کنواں، دہلی، ۱۹۸۸ء، ص: ۵۳

(۶) پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے مولانا آزاد کی سورہ فاتحہ کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے اور مولانا کے بہت سے تسامحات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

(۷) ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد (پیش لفظ از: ڈاکٹر ذاکر حسین) ساہتیہ اکاڈیمی، نئی دہلی، پہلی بار ۱۹۶۴ء، ا/ ۸۳۔۸۴

(۸) وضاحت کے لیے دیکھیے: تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، بار اول، ۱۹۸۹ء، تاج کمپنی، ا/ ۴۸

(۹) ترجمان القرآن، ا/ ۲۲۹ (۱۰) ایضاً، ا/ ۲۳۰ (۱۱) ایضاً، ا/ ۳۰۹۔۳۰۸

(۱۲) وضاحت کے لیے دیکھیے، تدبر قرآن، ا/ ۸۸۔۸۹ (۱۳) ترجمان القرآن، ا/ ۲۳۲۔۲۳۱

(۱۴) وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر شاہ صاحب نے ''فیوض الحرمین'' میں بحث کی ہے، دیکھیے: ص: ۸۱۔۸۵ (مشاہدات و معارف ترجمہ فیوض الحرمین، حضرت شاہ ولی اللہ، (ترجمہ از محمد سرور) سندھ ساگر، اکاچی، لاہور)

(۱۵) ترجمان القرآن، ا/ ۲۳۳ (۱۶) وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا ابوالکلام آزاد، ص: ۱۷۱

(۱۷) مولانا ابوالکلام آزاد، عابد رضا بیدار

(۱۸) ذکر آزاد، ملیح آبادی، دفتر آزاد ہند، کلکتہ، پہلا ایڈیشن، فروری ۱۹۶۰ء، ص: ۴۵۵۔۴۵۶

(۱۹) وضاحت کے لیے دیکھیے: ذکر آزاد، ص: ۴۴۶۔۴۴۷ (۲۰) مولانا ابوالکلام آزاد، ص: ۱۹۴

(۲۱) کتاب کا عنوان اور سن طباعت غلط دیا ہوا ہے، عنوان ''یتیمة الدهر فی شعراء أهل العصر'' ہے اور ۱۳۰۱ھ کے بجائے ۱۳۰۳ھ میں شائع ہوئی، دیکھیے: معجم المطبوعات، ص: ۶۶

(۲۲) کتاب کا عنوان ''النهاية فی التقريض والکناية'' ہے، ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، دیکھیے: معجم المطبوعات، ص: ۶۶۰

(۲۳) اس کتاب کا پورا نام ''فقه اللغة وسر العربية'' ہے، جسے شیخ لویس نے ترتیب و تحقیق کے بعد شائع کیا، دیکھیے: معجم المطبوعات، ص: ۶۵۸

(۲۴) یہ کتاب استاذ دی یونغ کی تحقیق وتحشیہ کے ساتھ شائع ہوئی، دیکھیے: معجم المطبوعات،ص:۶۵۹

(۲۵) اس کتاب کا پورا عنوان ''سحر البلاغة وسر البراعة'' ہے، اس میں شعراء اور نثر نگاروں کے تراجم بیان کیے گئے ہیں، دیکھیے: معجم المطبوعات،ص:۶۵۸

(۲۶) اس کا پورا عنوان ''مؤنس الوحيد في المحاضرات'' ہے، دیکھیے: معجم المطبوعات، ص۶۶۰

(۲۷) دیکھیے: معجم المطبوعات، ص:۶۵۷ (۲۸) دیکھیے: ایضاً، ص:۶۵۹

(۲۹) یہ کتاب ۳۰۴ صفحات پر مبنی ہے، مطبع عمومیہ سے شائع ہوئی ہے، دیکھیے: معجم المطبوعات، ص ۶۵۷

(۳۰) لسان الصدق، مئی ۱۹۰۴ء، دار السلطنت، کلکتہ، ۲/ ۵، ص:۱۹۔۳۲ (پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بنگال اور مسئلہ محمڈن یونیورسٹی، نواب محسن الملک بہادر)

(۳۱) لسان الصدق، (محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علاقہ ممبئی اور مرحوم سر سید احمد خاں) دار السلطنت کلکتہ، اگست، ستمبر ۱۹۰۴ء، ۲/ ۸، ۹، ص:۲۹۔۳۲

(۳۲) الہلال، ۱۸ دسمبر ۱۹۱۲ء، ص:۱۱ (۳۳) مولانا ابوالکلام آزاد، ص:۲۴۲ (۳۴) ایضاً، ص:۲۵۲

(۳۵) مولانا آزاد کی صحافتی عظمت، نیاز فتح پوری، آجکل، سالنامہ ابوالکلام نمبر، جلد ۱۷، اگست ۱۹۵۸ء، دہلی، ص:۲۲

(۳۶) خطبات آزاد، (مرتبہ: مالک رام) پہلی بار، ۱۹۷۴ء ساہتیہ اکادیمی رابندر بھون، نئی دہلی، ص:۹۷۔۹۸

(۳۷) ایضاً، ص:۲۹۷ (۳۸) مولانا ابوالکلام آزاد، ص:۲۹۷

(۳۹) مولانا آزاد کی مختلف خدمات کے اعتراف کے لیے ''ثقافة الهند'' کا مولانا آزاد نمبر (۳۹/ ۱۔۲، ۱۹۸۸ء، ۳۹/ ۳۔۴، ۱۹۸۸ء) نکالا گیا جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد ۳۴۶ صفحات پر اور نثار احمد دوسری جلد ۳۹۶ صفحات پر مبنی ہے، اس کے لیے ہم مرحوم پروفیسر فاروقی کے شکر گزار ہیں کہ جن کی پیہم ریاضتوں سے یہ وقیع نمبر منظر عام پر آسکا۔

(۴۰) اس شعر میں المعری اپنی شعری عظمت پر نازاں ہے، یہ افتخار وتعلّی شعراء کے یہاں عموماً ملتی ہے، معری کا خیال ہے کہ مجھے پچھلا زمانہ ملا پھر بھی میں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جسے متقدمین انجام دینے سے قاصر ہیں۔ اس شعر کی شرح اس طرح بیان کی گئی ہے:

''أی انی وان كنتُ الذی آخر زمانه، أفعل من الأمور العجيبة ما عجزت الأولون زماناً عن أمثاله أی سبقتُ الأمائل فی المساعی وان تأخر زمانی'' (شرح التنوير على سقط الزند تأليف أبی العلاء المعری، مطبعة مصطفیٰ محمد، مصر، الجزء الأول، ص:۱۶۳)